بحث و نظر

۲۱ویں صدی کا اقتصادی چیلنج اور اسلامی معاشیات

مشرقی ایشیا کے حالیہ بحران کی روشنی میں

سید حامد عبدالرحمٰن الکاف

جناب سید حامد عبدالرحمٰن الکاف (صنعاء' یمن) نے وقت کے چند اہم معاشی اور مالیاتی مسائل کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جن سوالات کو اٹھایا گیا ہے ان پر گہرے غوروخوض اور تبادلہ خیال کی ضرورت ہے۔ اگر اسلامی معاشیات اور بین الاقوامی معیشت سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم' متعلقہ امور کے بارے میں اختصار سے اپنا تجزیہ اور تجاویز پیش کرنا چاہیں تو ادارہ اسے خوش آمدید کہے گا۔ (مدیر)

جب کبھی عصر حاضر کے اقتصادی اور مالی مسائل کے حل کی بات چھڑتی ہے تو کچھ حضرات یہ کہہ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ اگر موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے سود خواری' سٹہ بازی' ذخیرہ اندوزی اور جعل سازی وغیرہ کے چند گنے چنے عناصر نکال دیے جائیں تو سارے ہی اقتصادی اور مالی مسائل از خود حل ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے ان کی ساری گفتگو اور استدلال کا رخ ان گنے چنے امور کی طرف ہوتا ہے اور وہ کلی تصورات زیر بحث نہیں آتے جو آج کل کی نہ صرف قومی اقتصادیات کا بلکہ عالمی اقتصادی نظام کا امتیازی نشان ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سود وغیرہ ایسے عناصر ہیں جن کے وجود کے ساتھ کسی بھی اقتصادی نظام سے خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی اقتصادی نظام--- خصوصاً عصر حاضر کا اقتصادی نظام--- صرف ان عناصر سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس میں دیگر ایسے عناصر اور عوامل بھی ہیں جن کے بارے میں مسلم ماہرین معاشیات اور مالیات کو غور و فکر کرنا چاہیے۔

جنوب مشرقی ایشیائی اقتصادی بحران کے ابتدائی مراحل میں سٹہ بازی' جوا بازی' سود خواری اور دیگر تباہ کن اقتصادی امور کا ذکر بار بار آتا رہا مگر جوں جوں دن گزرتے گئے اور اس بحران کے ظاہری اسباب و عوامل کے ذکر سے گزر کر نظر زیادہ گہرے اسباب کی طرف متوجہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ اصل مرض کے

صرف مظاہر تھے، اصل مرض نہ تھا۔ اصل مرض، ان سارے ہی اقتصادیات خصوصاً جاپانی اقتصادی نظام کے غلط انداز میں چلائے جانے کا نتیجہ تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ان اقتصادیات کا، جن میں جاپانی اقتصاد بھی شامل ہے، اچانک بیٹھ جانا ہے۔ اس کے بھی چند اسباب ہیں جن پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

سود، سٹہ بازی، نفع خوری وغیرہ کے علاوہ اس بحران کا سب سے اہم سبب عالمی اقتصاد میں وہ دور رس تبدیلیاں ہیں جو آخری ربع صدی میں وقوع پذیر ہوئی ہیں اور جن کے نتیجے میں قومی اقتصادیات کچھ اس طرح آپس میں مربوط ہو چکی ہیں کہ اب قومی سطح پر منصوبہ بندی ایک فرسودہ تصور ہو چکا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ منصوبہ بندی کم از کم علاقائی سطح پر کی جائے، مثلاً جنوب مشرقی ایشیا، بحرالکاہل اور بحرہند پر واقع ممالک، تاکہ ان علاقوں کی اقتصادیات پیداوار کے میدانوں میں ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں۔

علاقوں کی بنیاد پر منصوبہ بندی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ذرائع معلومات کی سرعت، فراوانی اور ارزانی کی وجہ سے--- سٹلائٹس اور کمپیوٹرز کے ذریعے--- نقد سرمایہ کا ایک مالی مرکز، مثلاً ٹوکیو سے، دوسرے مالی مرکز، مثلاً ہانگ کانگ منتقل ہونا بہت زیادہ آسان ہو گیا ہے اور یہ پلک جھپکنے میں ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے ایک مالی مرکز سے کروڑوں اور اربوں ڈالر کا سرمایہ دوسرے مالی مرکز کو چند لمحات میں منتقل ہو رہا ہے۔ سرمایے کو پر لگ چکے ہیں اور وہ اعلیٰ تر شرح سود کی تلاش میں، عالمی پیمانے پر، ایک مالی مرکز سے دوسرے مالی مرکز تک اڑتا پھر رہا ہے اور جس مالی مرکز سے یہ گزرتا ہے، ایک طوفان کی طرح در و دیوار کو اور اس کے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تہس نہس کر کے گزر جاتا ہے۔ اس کی جیتی جاگتی اور ناقابل تردید مثالیں ہانگ کانگ، ٹوکیو، نیویارک، شکاگو اور کوالالمپور کے مالی مراکز کی گذشتہ سات ماہ سے مسلسل تباہی اور بربادی ہے۔ اس تباہی اور بربادی میں کم از کم دو ٹریلین ڈالر جل بھن گئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں کئی ملین لوگ بے روزگاری کا شکار ہو جائیں گے۔

اس حقیقت کا اظہار ۳۰ دسمبر ۱۹۹۷ کو لحمن برادرز (Lehman Bros) کے چیف اکاؤنٹنٹ نے بے روزگاری کے اعداد و شمار کی شکل میں کیا ہے کہ ۱۹۹۸ کے ختم ہوتے ہوتے امریکہ میں بے روزگاری کی شرح ۴ء۴ فی صد سے بڑھ کر ۲ء۵ فی صد ہو جائے گی۔ جب سائل نے ۵ء فی صد شرح پر بے روزگاری کے رکنے کی توقع ظاہر کی تو اس نے ۲ء۵ فی صد پر اصرار کیا اور کہا کہ جنوب مشرقی ایشیا کے معاشی بحران کا اثر امریکی اقتصاد پر بڑا گہرا اور دور رس ہے۔ اس نے مزید کہا کہ اس بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے پیش نظر ۹۸ء میں شرح سود میں اضافے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ہمیں یہاں عالمی پیمانے پر پھیلنے والی بے روزگاری کے دوسرے اسباب کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، مثلاً سوشل سیکورٹی کی سرگرمیوں میں مسلسل کمی ہے۔ اسی طرح حالات کو غیر یقینی بنانے اور بحرانی کیفیت کو

تیز تر کرنے میں مختلف کرنسیوں (سکوں) کے ایک دوسرے سے ربط و ضبط اور ان کے تبادلے میں تخمینہ اور سٹہ کا بڑا دخل ہے۔

یہ سب عوامل ہمیں کشاں کشاں اس بڑی حقیقت کی طرف لے جا رہے ہیں جو اکیسویں صدی کا شاید سب سے بڑا واقعہ تصور کیا جانے والا ہے اور وہ ہے تجارت، کاروبار اور لین دین کا عالمی شکل اختیار کرنا اور جس کو عملی جامہ پہنانے کا کام "عالمی تجارتی تنظیم" (World Trade Organisation) نے اپنے ذمے لیا ہے۔ یہ تنظیم مختلف قوموں کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے زمین کے ہم رنگ جال بننے میں مشغول ہے اور مختلف اقتصادیات کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے ہر طرح کی تدابیر اختیار کر رہی ہے۔

اسلامی ماہرین اقتصادیات اور مالیات کے نقطہ نظر سے جو پہلو غور طلب ہیں، ان میں مندرجہ ذیل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے:

۱۔ اکیسویں صدی میں اقتصادِ عالم ایک ایسی وحدت میں تبدیل ہو جانے والی ہے جس کا ہر جز دوسرے جز سے تجارت، زرکاری، قرض کاری اور سرمایوں کی نقل و حرکت کی وجہ سے نہ صرف مربوط ہو گا بلکہ مثبت یا منفی حیثیت سے متاثر ہو گا یا متاثر کرے گا۔ اس لیے اقتصادیات کے عالمی پہلوؤں پر گہری نظر رکھنے اور عالمی حل پیش کرنے کی ابھی سے مناسب تیاریاں کی جانی چاہئیں۔ اس کے لیے پہلے تو قومی، علاقائی اور عالمی اقتصادیات پر کلی نظر پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ دوسرے درجے میں بیدار مغز افراد کو ایک ایسے عالمی ادارے میں جمع کرنے کی سخت ضرورت ہے جو ان درپیش مسائل کا نہ صرف فوری حل تلاش کریں بلکہ ان کو نظریاتی ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش بھی کریں۔

۲۔ دوسرے درجے میں علاقائی اقتصادیات ہیں جو ایک دوسرے سے بہت گہرے انداز میں مربوط ہیں، ان کے درمیان باہمی مقابلے اور ٹکراؤ کے بجائے زیادہ سے زیادہ تعاون اور توافق کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ چکی ہے۔ ان خطوط پر سوچنا، منصوبہ بندی کرنا اور اس کو بطور مشورہ بروقت اور مناسب انداز میں پیش کرنا، ماہرین مالیات اور اقتصادیات کا کام ہے۔ اسلام دوست ماہرین کو بھی اس میں اپنا حصہ ادا کرنا چاہیے۔

۳۔ اب سرمایہ کاری اور قرض کاری مقامی امور نہیں ہیں۔ یہ عالمی پیمانے پر طے ہو رہے ہیں اور ان میں مالی مراکز بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان مالی مراکز کو زیادہ سے زیادہ صحیح خطوط پر چلانا تاکہ مسلمان ملکوں کو کم سے کم ضرر پہنچے، مسلمان ماہرین اقتصادیات اور مالیات کا بنیادی فرض قرار پاتا ہے۔

سب ہی جانتے ہیں کینز کے نقد ترجیحی (Liquidity Preference) اور سٹہ بازی کے جذبے (Speculative Motive) کے نظریات نے سٹہ بازی اور نفع خوری کو مالیاتی نظاموں اور مالی مراکز کا جزو لاینفک بنا دیا ہے۔ ہمارا کام ہے کہ ان مالی نظاموں اور مراکز کو سٹہ بازی اور نفع خوری کے چنگل سے آزاد

کرانے کے لیے پہلے نظریاتی کوششیں کریں اور پھر عملی اقدامات تجویز کریں۔ عالمی پیمانے پر کئی کئی برس جاری رہنے والے مالی اور اقتصادی بحرانوں نے اب ہماری بات سننے اور سمجھنے کے لیے اچھی خاصی نفسیاتی فضا پیدا کر دی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ اس نفسیاتی فضا کو اپنے حق میں--- اسلام اور اسلام کے مالیاتی اور اقتصادی اصولوں کے حق میں--- استعمال کر سکیں؟ اس کا جواب بھی اسی ادارے کا قیام ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے بہتر فضا نہ پہلے تھی اور نہ شاید مستقبل قریب میں پھر پیدا ہو۔ ضرورت اس سے فائدہ اٹھانے اور جلد از جلد فائدہ اٹھانے کی ہے۔ اس میں سب سے اہم عنصر ان افراد کا ہے جو اس ادارے میں کام کرنے کے لیے چنے جائیں۔ یہ کام وہی لوگ انجام دے سکیں گے جن کی ایک طرف کتاب و سنت میں مجتہدانہ نظر ہو، اور دوسری طرف وہ علمی اور تجرباتی اعتبار سے اتنے لائق ہوں کہ وہ اکیسویں صدی کے استرے تیجیات (Strategies) پر گہری نظر رکھتے ہوں اور ان کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے قابل عمل لائحہ عمل ضروری نظریاتی بنیادوں کے ساتھ پیش کر سکتے ہوں کیونکہ اجتہادی بصیرت اور تشکیل نو کی صلاحیت کے بغیر کسی بھی میدان میں پیش رفت مشکل ہے۔

۴۔ عالمی پیمانے پر پھیلتی ہوئی بے روزگاری اور اس کے اسباب کا کھوج لگانا اور ان کے حل کے لیے عملی تجاویز پیش کرنا، ان حضرات کا کام ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں انھیں بعض نہایت خاردار مسائل پر غور و فکر کرنا اور قلم اٹھانا پڑے گا، مثلاً ہائی ٹک اور بے روزگاری کا تعلق؟ کیا یہ ایک حقیقت ہے یا صرف افسانہ ہے؟ اگر حقیقت ہے تو کس حد تک اور کن حدود میں؟ ان حدود کی تشخیص اور تعین؟ اوقات کار اور پنشن کی عمروں میں مختلف پیشوں کے اعتبار سے کمی اور اس کے اخلاقی نتائج اور حسب ضرورت موانع حمل سے متعلق مسائل پر دینی نقطہ نظر سے نظر ثانی اور اس کے جواز اور عدم جواز کے حدود؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب بڑے حساس مسائل ہیں جو مجتہدین مطلق کے منتظر ہیں۔ ان کو جمع کرنا ہی عصری ضروریات کا سب سے بڑا مطالبہ ہے۔

۵۔ بڑے پیمانے پر مسلم امہ کے سرمایے کو اکٹھا کرنا اور اس کو مفید اور بار آور منصوبوں میں اسلامی نقطہ نظر سے لگانا، وقت کی پکار ہے۔ یہ سرمایہ کئی ٹریلین ہو سکتا ہے اور آج بھی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بڑے غور و فکر کا محتاج مسئلہ ہے تاکہ عملی تدابیر تک پہنچا جا سکے۔ یہ ہزار پہلو مسئلہ ہے جس کا آسان اور عملی حل تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اس لیے سنجیدہ اور دور رس کوششوں--- علمی اور عملی کوششوں--- کی سخت ضرورت ہے۔

۶۔ سرمایے کو جمع کرنے اور مفید منصوبوں میں لگانے کے ساتھ ہی ہم قرض کاری کے اصولوں کی اہمیت اور ان پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں کو عمل پر ابھارنے والے افراد کے مسئلے سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ اس میدان میں سنجیدگی کے ساتھ پیش رفت کی سخت ضرورت ہے۔